مستورات سے خطاب

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مستورات سے خطاب

(فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۵ء بر موقع جلسہ سالانہ)

حضور نے سورۃ الدھر کے پہلے رکوع کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

اس سورۃ میں بلکہ اس رکوع میں جو مَیں نے پڑھا ہے اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی زندگی کے ابتدائی، درمیانی و آخیری انجام بتائے ہیں اس لئے یہ رکوع اپنے مضمون کے لحاظ سے کامل رکوع ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا۔ دنیا میں اِنسان گناہ کا مرتکب تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور تکبر اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ وہ باوجود آنکھوں کے نہیں دیکھتا اور باوجود کانوں کے نہیں سنتا۔ اور وہ یہ نہیں جانتا کہ ہر ایک اِنسان پر ایک زمانہ ایسا آیا ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، فقیر ہو یا بادشاہ، کہ اس کا ذکر دنیا میں کوئی نہ کرتا تھا۔ ہر ایک شخص اپنی زندگی پر غور کر کے دیکھ لے۔ جس کی عمر آج چالیس سال کی ہے اکتالیس سال پہلے اس کو کون جانتا تھا۔ جس کی عمر پچاس سال کی ہے اکاون سال پہلے اس کو کون جانتا تھا۔ پس چاہے کتنا ہی بڑا اِنسان ہو خیال کرے کہ اس کی زندگی شروع کہاں سے ہوئی ہے۔ دنیا تو پہلے سے آباد چلی آرہی ہے۔ اور جب اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی دنیا آباد تھی اور یہ بعد میں آیا اور اس کے نہ آنے سے پہلے کوئی نقصان نہیں تھا اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا جابر و فاتح بادشاہ جو گذرا ہے۔ اس کے نہ رہنے اور مرجانے سے دنیا کو کوئی نقصان نہیں ہوا اور دنیا ویسے ہی آباد چلی آرہی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ جو ایک وقت حکومت کرتے تھے ایک وقت آیا کہ ان کو کوئی جانتا بھی نہ

تھا۔ تو اِنسان کو چاہئے کہ اپنی پیدائش پر غور کرتا رہے اس سے اس میں تکبّر نہیں پیدا ہو گا اور وہ بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا۔ ہر ایک اِنسان پر ایسا زمانہ آیا ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی مذکور نہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو مختلف چیزوں کے خواص سے سمیع اور بصیر اِنسان بنا دیا۔ اِنسان کیا ہے۔ ان ہی چیزوں یعنی مختلف قسم کے اناجوں، پھلوں، ترکاریوں اور گوشت کا خلاصہ ہے جو ماں باپ کھاتے ہیں۔ بچہ ماں باپ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور کبھی کوئی بچہ آسمان سے نہیں گرا۔ دیکھو اگر کسی شخص کی غذا بند کر دی جائے تو اس کے ہاں بچہ پیدا ہونا تو درکنار وہ خود بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ پس بچہ ماں باپ کی اس غذا ہی کا خلاصہ ہے جو وہ کھاتے ہیں۔

پھر بچہ ہی سے روح پیدا ہوتی ہے عام لوگوں کا خیال ہے کہ بچہ تو ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے، روح کہیں آسمان سے آجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔ مگر یہ خیال روح کی نسبت غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ روح بھی ماں باپ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بے ہودہ اور لغو خیال ہے کہ بچہ تو ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے اور روح آسمان سے آتی ہے۔ یہ آریوں کا خیال ہے کہ روح ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ اس طرح خدا روح کا خالق تو نہ ہؤا۔ سورۃ دھر میں اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں بچہ کے نشوونما کو اس طرح بتاتا ہے کہ جس وقت دنیا میں اس کا کوئی مذکور نہ تھا ہم نے چند چیزوں کے خلاصہ سے اس کو سمیع اور بصیر اِنسان بنایا۔ اور یہ اس غذا ہی کا خلاصہ ہے جو ماں باپ کھاتے تھے۔ بچہ کی پیدائش اور روح کی مثال اس طرح ہے جس طرح جَو اور کھجور سے سرکہ بناتے ہیں اور سرکہ سے شراب۔ اس طرح بچہ سے روح پیدا ہو جاتی ہے۔ گلاب کا عطر گلاب کے پھولوں کا ایک حصہ ہے جو خاص طریقہ پر تیار کرنے سے بن جاتا ہے۔ پس جس طرح پھول کی پتیوں سے عطر نکل آتا ہے اور سرکہ سے شراب بن جاتی ہے اسی طرح بچہ کے جسم سے ہی روح تیار ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں تو ابھی اس قدر علم نہیں ہے یورپ میں دواؤں سے عطر تیار کرتے ہیں۔ دو ایک دوائیاں ملائیں اور خوشبو بن گئی۔ پس جس طرح پھولوں سے خوشبو اور جَو سے شراب بن جاتی ہے اسی طرح جسم سے روح پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے بچے کا جسم پیدا ہوتا ہے اور پھر جسم میں ہی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ کہ گوشت، ترکاریاں، پانی، طرح طرح کے پھل، ہر ایک قسم کی دالیں جو ماں باپ کھاتے ہیں ان

مختلف قسم کی غذاؤں کا خلاصہ نکال کر ہم نے اِنسان کو پیدا کیا۔
پھر اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ہم نے جو سب چیزوں کے نچوڑ سے خلاصہ بن گیا تھا۔ اس پر انعام کیا اور وہ بولتا چالتا اِنسان بن گیا۔ پس تم دیکھو کہ تمہاری ابتداء اس طرح پر ہوئی۔ اور پیدائش کے لحاظ سے تمہارے اور گائے، بھیڑ، بکری میں کوئی فرق نہیں۔ اگر فرق ہؤا تو احسان سے ہؤا ہے اور وہ یہ کہ اس کی طرف وحی بھیجی، اس پر اپنا کلام اتارا اور اس کے اندر یہ قوت رکھ دی کہ چاہے تو شکر کرے اور چاہے تو انکار کرے۔ ہم نے اِنسان کو ان حقیر چیزوں سے پیدا کیا اور اس میں یہ قوت رکھ دی کہ چاہے ہماری راہ میں جدوجہد کر کے ہماری رضا کو حاصل کر لے اور چاہے ہمارے نبی کا منکر ہو جائے۔ اس کو جو اقتدار حاصل ہے ہم اس میں دخل نہیں دیتے۔ ہاں خدا کا کلام اس پر اترا اور اسے بتلایا کہ اس پر چل کر ترقی کر سکتے ہو۔

کوئی کہہ سکتا ہے خدا نے اِنسان کو یہ قدرت ہی کیوں دی اور اس کو آزاد کیوں چھوڑا اس سے اس کی کیا غرض تھی؟ سو معلوم ہو کہ اگر خدا اِنسان کو یہ قدرت نہ دیتا تو وہ ترقی بھی نہ کرتا۔ دیکھو آگ کی خاصیت جلانا ہے۔ آگ میں جو چیز بھی پڑے گی وہ اس کو جلا دے گی۔ چاہے وہ چیز آگ جلانے والے کی ہی کیوں نہ ہو۔ دیکھو اگر کسی گھر میں چراغ جل رہا ہو اور وہ گر پڑے اور سارا گھر جل جائے تو کوئی چراغ کو ملامت نہیں کرے گا۔ اسی طرح کوئی شخص آگ کو کبھی کوئی الزام نہیں دیتا۔ کیونکہ جانتے ہیں کہ آگ کی خاصیت جلانا ہے۔ لیکن اگر کوئی اِنسان کسی کو بلاوجہ انگلی بھی لگائے تو لوگ اس کو ملامت کریں گے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی مقدرت ہے کہ کسی کو ایذاء نہ پہنچائے۔ اسی طرح دیکھو مکان بھی اِنسان کو سردی سے بچاتا ہے مگر کبھی کسی اِنسان نے مکان کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اس کے مقابلہ میں کوئی اِنسان کسی کو ایک کرتا دے دیتا ہے تو اس کا احسان مانتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کو اِختیار تھا۔ چاہے دیتا چاہے نہ دیتا تو آگ اگر بچہ کو جلا دے تو بھی کوئی آگ کی مذمت نہیں کرے گا اور اِنسان اگر انگلی بھی لگائے تو اسے برا بھلا کہیں گے۔ اس کی کیا وجہ ہے یہی کہ آگ کو اِختیار نہیں مگر انسان کو اِختیار تھا۔ چاہے دکھ دیتا چاہے نہ دیتا۔ اسی طرح پانی کا کام ہے ڈبونا۔ سمندر میں کئی اِنسان ڈوبتے رہتے ہیں۔ مگر کبھی کوئی سمندر کو ملامت نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ قانون ہے۔ اس میں سمندر کو اِختیار نہیں۔ پھر سارے انعام اِختیار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اِنسان کو اس لئے بھی اِختیار دیا گیا کہ اس کو انعام دیا جائے۔ اور جو انعام کے قابل ہو سکتا ہے وہی سزا کا بھی مستحق ہو سکتا ہے۔ بعض دفعہ بچہ زمین پر گر پڑتا ہے تو

زمین کو پیٹتا ہے۔ عورتیں کہتی ہیں۔ آؤ زمین کو پیٹیں اس نے کیوں تمہیں گرایا۔ مگر یہ محض ایک تماشا ہوتا ہے۔ جو بچہ کے بہلانے کے لئے ہوتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنسان کو اِختیار اس لئے دیا کہ چاہے بڑھ چڑھ کر انعام لے جائے چاہے سزا کا مستحق ہو جائے۔ کئی مسلمان مرد اور عورتیں کہتی ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بنانا تھا بنا دیا ہمیں کسی کوشش کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو بتلاؤ پھر اب خدا کا کیا حق ہے کہ ہم میں سے کسی کو سزا دے یا انعام۔ دیکھو آگ کا کام خدا نے جلانا اور پانی کا کام ڈبونا رکھا ہے۔ اب اگر کوئی کسی چیز کے جلنے پر آگ کو یا ڈبونے پر پانی کو مارے تو چوہڑی چماری بھی کہے گی یہ پاگل ہے۔ مگر تم میں سے بہت سی عورتیں جو کہتی ہیں اگر ہماری تقدیر میں جنہم ہے تو جنہم میں ڈالے جائیں گے اور اگر بہشت ہے تو بہشت میں جائیں گے کچھ کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو پانی یا آگ کو مارنے والی عورت کو تمام پاگل کہتے ہیں اس لئے کہ آگ یا پانی کا جو کام تھا اس نے وہی کیا۔ پھر خدا اگر اِنسان کو ایک کام کرنے کے لئے مجبور بنا کر پھر سزا دیتا تو کیا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ لوگ اسے پاگل نہ کہتے۔ کیونکہ اس آدمی نے تو وہی کام کیا جو اس کی تقدیر میں تھا پھر چور، ڈاکو، جواری سب انعام کے قابل ہیں کیونکہ انہوں نے وہی کام کیا جو ان کے مقدر میں تھا اور جس کام کے لئے وہ پیدا کئے گئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کی تردید فرماتا ہے اور کہتا ہے اگر جبر ہوتا تو کافر نہ ہوتے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مار مار کے لوگوں سے کہے کہ مجھ کو گالیاں دو یا میرے بچہ کو مارو۔ جب تم میں سے کوئی ایسا نہیں کرتا تو خدا نے جو زبان دی، کان دیئے تو کیا اس لئے کہ مجھ کو اور میرے رسولوں کو گالیاں دو۔ جب دنیا میں کوئی کسی کو اپنے ساتھ برائی کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ کیوں لوگوں کو برے کاموں کے لئے مجبور کرنے لگا۔ اگر اس نے مجبور ہی کرنا ہوتا تو سب کو نیکی کے لئے مجبور کرتا۔ پس یہ غلط خیال ہے اور خدا اس کو رد کرتا ہے۔

عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے۔ کسی کا بیٹا بیمار ہو جائے تو کہتی ہے تقدیر یہی تھی۔ کوئی اور بات ہو جائے تو تقدیر کے سر تھوپ دیتی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ہر بات تقدیر سے ہی ہوتی ہے اور اِنسان کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا تو ایک عورت روٹی کیوں پکاتی ہے تقدیر میں ہو گی تو خود بخود پک جائے گی۔ رات کو لحاف کیوں اوڑھتی ہے اگر تقدیر میں ہو گا تو خود بخود سب کام ہو جائے گا مگر ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ایک دفعہ میں لاہور سے قادیان آرہا تھا اسی گاڑی میں پیر جماعت علی شاہ صاحب لاہور سے سوار ہوئے۔ حضرت صاحب ایک دفعہ سیالکوٹ گئے تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا

تھا کہ جو کوئی ان کے وعظ میں جائے یا ان سے ملے وہ کافر ہو گا اور اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ مسئلہ ہے کہ جب مرد کافر ہو جائے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک احمدی ان کے وعظ میں گیا اور ان سے کہا آپ نے میری شکل دیکھ لی ہے۔ میں احمدی ہوں۔ اس لئے آپ اب کافر ہو گئے اور آپ کی بیوی کو طلاق ہو گئی۔ اس پر سب لوگ اس کو مارنے لگ گئے۔ خیر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے؟ میں نے کہا۔ بٹالہ۔ انہوں نے کہا کیا خاص بٹالہ۔ یا کسی اور جگہ۔ میں نے کہا۔ بٹالہ کے پاس ایک گاؤں ہے وہاں۔ انہوں نے کہا۔ اس گاؤں کا کیا نام ہے۔ میں نے کہا قادیان۔ کہنے لگے۔ وہاں کیوں جاتے ہو۔ میں نے کہا میرا وہاں گھر ہے۔ کہنے لگے کیا تم میرزا صاحب کے رشتہ دار ہو۔ میں نے کہا۔ میں ان کا بیٹا ہوں۔ ان دنوں ان کا کسی احمدی کے ساتھ جھگڑا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ میں اس احمدی سے کہوں کہ مقدمہ چھوڑ دے۔ مگر انہوں نے پہلے غرض نہ بتائی اور کچھ خشک میوہ منگوا کر کہا۔ کھاؤ۔ میں نے کہا مجھ کو نزلہ کی شکایت ہے۔ کہنے لگے۔ جو کچھ تقدیر الٰہی میں ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ اگر یہی ہے۔ تو آپ سے بڑی غلطی ہوئی۔ ناحق سفر کی تکلیف برداشت کی اگر تقدیر میں ہوتا۔ تو آپ خود بخود جہاں جانا تھا پہنچ جاتے اس پر خاموش ہو گئے۔ تو تقدیر کے متعلق بالکل غلط خیال سمجھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم کسی کو مؤمن یا کافر نہیں بناتے۔ بلکہ وہ خود ہی شکر گزار بندہ یا کافر بنتا ہے۔ اور ہم نے جب اس کو مقدرت دے دی تو حساب بھی لیتا ہے۔ دیکھو جس نوکر کو مالک اِختیار دیتا ہے کہ فلاں کام اپنی مرضی کے مطابق کر، اس سے محاسبہ بھی کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاْ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا۔ جو لوگ انکار کرتے ہیں۔ ان کے لئے زنجیریں اور طوق ہے اور آگ رکھی ہے۔

وہ زنجیر کیا ہے۔ وہ رسوم ہیں جن کا تعلق قوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً بیٹے کا بیاہ کرنا ہے۔ تو خواہ پاس کچھ نہ ہو قرض لے کے رسوم پوری کرنی ہوتی ہیں۔ یہ زنجیر ہوتی ہے جو کافر کو جکڑے رہتی اور وہ اس سے علیحدہ نہیں ہونے پاتا۔ اس کے مقابلہ میں مؤمن ہے اس کے نکاح پر کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ اگر توفیق ہے تو چھوہارے بانٹ دو۔ اگر نہیں تو اس کے لئے بھی جبر نہیں۔ پھر اغلال وہ عادتیں ہیں جن کا اپنی ذات سے تعلق ہے۔ اسلام عادتوں سے بھی روکتا ہے۔ شراب، حقہ، چائے کسی چیز کی بھی عادت نہ ہونی چاہئے۔ اِنسان عادت کی وجہ سے بھی گناہ کرتا ہے۔ حضرت صاحب کے زمانہ میں حضرت صاحب کے مخالف رشتہ داروں میں سے بعض لوگ حقہ لے

کر بیٹھ جاتے کوئی نیا احمدی جسے حقہ کی عادت ہوتی وہاں چلا جاتا تو خوب گالیاں دیتے۔ چنانچہ ایک احمدی ان کی مجلس میں گیا انہوں نے حقہ آگے رکھ دیا اور حضرت صاحب کو گالیاں دینے لگ گئے۔ اس سے اس احمدی کو سخت رنج ہوا کہ میں ان کی مجلس میں کیوں آیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ کچھ بولتا نہیں تو پوچھا میاں تم کچھ بولے نہیں۔ احمدی نے کہا۔ بولوں کیا۔ میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوں کہ حقہ کی عادت نہ ہوتی تو یہ باتیں نہ سننی پڑتیں۔ آخر اس نے عہد کیا میں آئندہ کبھی حقہ نہ پیوں گا۔ تو عادت اِنسان کو گناہ کے لئے مجبور کر دیتی ہے۔

پھر سَعِیْر وہ آگ ہوتی ہے جو ان کے اندر لگی ہوتی ہے اور انہیں تسلی نہیں ہونے دیتی۔ دیکھو ایک بت پرست کے سامنے جب ایک مؤمن اپنے خدا کی وحدانیت بیان کرتا ہے۔ تو وہ کس قدر جلتا ہے اور ایک عیسائی کے سامنے جب ایک یہودی کہتا ہے کہ تمہارا خدا وہی ہے۔ جس کو ہم نے کانٹوں کا تاج پہنایا اور یہ یہ تکلیفیں دیں تو اس کے سینہ میں کس قدر جلن پیدا ہوتی ہے۔ تو کافروں کے دلوں میں ایک آگ ہوتی ہے جو ان کو جلاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک یہودی حضرت عمرؓ سے کہنے لگا۔ مجھ کو تمہارے مذہب پر رشک آتا ہے اور میرا سینہ جلتا ہے کہ کوئی بات نہیں جو اس شریعت نے چھوڑی ہو کاش کہ یہ سب باتیں ہمارے مذہب میں ہوتیں۔ تو یہ ایک آگ ہے جو ان کو جلاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ مؤمن کا حال اس آیت میں بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا یعنی کافروں کے مقابلہ میں خداوند کریم مؤمن کو کافوری پیالہ پلاتا ہے۔ کافور کی خاصیت ٹھنڈی ہے۔ پس جہاں کافر کا سینہ جلتا ہے اس کے مقابلے میں مؤمن کا مزاج کافور ہو جاتا ہے۔ یعنی جہاں کافر جلتا ہے۔ مؤمن خوش ہوتا ہے کہ میرے مذہب جیسا کوئی مذہب نہیں۔ توحید کی تعلیم اور کلام الٰہی اس کے سامنے ہوتا ہے۔ ایک مسلمان جس وقت قرآن پڑھتا ہے کہ وہ لوگ جو خدا پر ایمان لاتے ہیں ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، ان کو الہام ہوتا ہے، تو اس کا دل اس بات پر کس قدر خوش ہوتا ہے کہ میں خدا سے کس قدر قریب ہوں۔ اسلام پر چلنے سے ہی خدا سے تعلق ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں وید کا ماننے والا جب وید پڑھتا ہے تو کس قدر کڑھتا ہے کہ خدا جو وید کے رشیوں سے کلام کرتا تھا اب مجھ سے نہیں کرتا میں کیا اس کا سوتیلا بیٹا ہوں۔ تو مؤمن خوش ہوتا ہے اور کافر جلتا ہے۔

مگر وہ کافوری پیالہ جو مؤمن کو دیا جاتا ہے مشکل سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا۔ جب رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایمان

لائے تو قتل کئے گئے۔ صحابہ کو بڑی بڑی تکلیفیں دی گئیں۔ حضرت بلال کو گرم ریت پر لٹا کر مارتے اور کہتے کہو لات خدا ہے۔ فلاں بت خدا ہے۔ مگر وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہتے۔ باوجود اسقدر تکلیفوں کے انہوں نے اپنا ایمان نہ چھوڑا۔ تو ایمان لانا کوئی معمولی بات نہیں۔ جنت کے ارد گرد جو روکیں ہیں۔ وہ مشکل سے ہٹتی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان کی نہر کھود کر لاتے ہیں وہ بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ یہاں جو نہر سے مشابہت دی ہے تو اسی لئے کہ نہر بڑی مشکل سے کُھدتی ہے۔ اگر اکیلے کسی کو کھودنی پڑے تو کبھی نہ کھود سکے۔ اب اگر ہماری جماعت کے مرد یا عورتیں خیال کریں کہ ہم کو یونہی ایمان مل جائے اور کوئی قربانی نہ کرنی پڑے تو یہ ناممکن ہے۔ ایمان کے لئے بہت سی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ قربانیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو خدا کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اور دوسری بندہ آپ اپنے اوپر عائد کرتا ہے۔ پہلی قربانیاں جو خدا کی طرف سے ہوتی ہیں۔ وہ اس قسم کی ہوتی ہیں مثلاً کسی کا بچہ مرجائے یا کسی کی بیوی مرجائے۔ اس میں بندے کا دخل نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ جو دوسری قربانی ہے اس میں اِنسان کا دخل ہوتا ہے کہ بھائی بند، بیٹا، بیوی سب مخالف ہیں اور وہ ایمان لاتا ہے اور ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہ ہے جو ایمان کی نہر کو چیر کر لاتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت ہے جس کی سمجھ میں حق آگیا یا کوئی لڑکا لڑکی ہے جس پر حق کھل گیا اور وہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔ اور مخالفت کا خیال نہ کرے تو یہی نہر ہے جو کھود کر لاتے ہیں۔ بچپن میں ایمان لانے والوں میں بھائی عبدالرحمٰن قادیانی ہیں جو پہلے ہندو تھے ان کے والد آکر ان کو لے گئے اور جاکر ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ چھ مہینے بند رکھا۔ ایک دن انہیں موقع ملا تو وہ پھر بھاگ کر یہاں آگئے۔ تو ایمان کی نہر حاصل کرنے کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ دنیا میں جب کوئی کپڑا، جوتی، روپیہ غرض کوئی چیز مفت نہیں ملتی تو ایمان جیسی نعمت کیسے مفت مل جائے۔ اور نہر کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مؤمن وہی ہے جو قربانی کرتا ہے۔ اس سے وہ ترقی کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا۔ وہ خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ انجام کا دن ہو گا۔ انجام کا دن ایک دنیا میں بھی آتا ہے اور ایک آخرت میں آئے گا۔ اول آپ قربانی کرتے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر دُنیا میں خدا کے مظہر بن جاتے ہیں۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۔ خدا ارزق دیتا ہے وہ بھی لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ محتاج ہوتے ہیں مگر اپنا کھانا غریبوں،

مسکینوں اور قیدیوں کو کھلا آتے ہیں۔ پھر اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا۔ وہ کھانا کھلا کر احسان نہیں جتاتے کہ فلاں وقت ہم نے یہ احسان کیا تھا یا دعوت دی تھی بلکہ ان کا احسان اپنے اوپر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہم کو نیکی کا موقع دیا۔ ان کو کسی کے ساتھ سلوک کرنے میں مزا آتا ہے۔ پس مؤمن جس کے ساتھ سلوک کرتا ہے اس کا احسان سمجھتا ہے کہ اس نے شکر کا موقع دیا۔ عَلٰی حُبِّہٖ کا یہ مطلب ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ ہی کے لئے کرتا ہے۔ شہرت کے لئے نہیں کرتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے کرتا ہے اس کا ایک ہی مقصود ہوتا ہے کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔

پھر ان کی احسان کرنے کی ایک اور بھی غرض ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۔ اس دن خدا ہمارے کام آئے جو کہ بہت ڈراؤنا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان خطرات سے بچائے اور ہم پر رحم کرے۔ ایسے لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَ لَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّ سُرُوْرًا۔ ایسے ایمان والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسا سلوک کرے گا کہ وہ قیامت کے دن محفوظ رہیں گے اور ان کو اچھا بدلہ دے گا۔ پھر فرماتا ہے۔ وَ جَزٰھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً وَّ حَرِیْرًا۔ یہ بدلہ ان کو ان کے ایمان کے بدلے میں ملے گا۔ مُتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَآئِکِ لَا یَرَوْنَ فِیْھَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْھَرِیْرًا۔ وہ سب کے سب بادشاہ ہوں گے۔ وہاں نہ گرمی ہو گی نہ سردی۔ وہ ایک نئی دنیا ہو گی وہاں گرمی بھی نہیں ہو گی یعنی نہ وہاں جوش آئے گا اور نہ ٹھنڈی ہو گی۔ یعنی نہ ہی جوش کم ہو جائے گا ایک ہی رنگ ہو گا۔

دیکھو قرآن کریم کی تعلیم کیا پُر حکمت ہے قرآن نے دوزخ کے عذاب میں بتلا دیا کہ وہاں سردی کا بھی عذاب ہو گا اور گرمی کا بھی۔ سرد ملکوں کے لوگوں کو سردی کے عذاب سے ڈرایا ہے اور گرم ملکوں کے لوگوں کو گرمی سے۔ بعض ملک اسقدر برفانی ہیں کہ وہاں کے لوگ برف ہی کے مکان بنا لیتے ہیں۔ وہاں پر اگر کسی کو پانی پینا ہوتا ہے تو برف کو رگڑ رگڑ کر پانی بناتے ہیں۔ وہاں آگ ایک نعمت سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ انجیل میں صرف آگ کے عذاب کا ہی ذکر ہے اس لئے جب اس برفانی ملک میں ایک پادری گیا اور وہاں جا کر عیسائیت کی تبلیغ کی اور کہا کہ اگر تم نہ مانو گے تو خدا تم کو آگ میں ڈالے گا تو وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ اوہو! ہم آگ میں ڈالے جائیں گے۔ کیونکہ آگ ان کے لئے نعمت تھی۔ اس طرح جب پادریوں نے دیکھا کہ یہ آگ سے نہیں ڈرتے تو انہوں نے ایک کمیٹی کی اور کہا کہ آگ کی جگہ برف کا عذاب لکھ دو۔ مگر قرآن شریف میں

کسی اِنسانی دخل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں برف کا عذاب موجود ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا۔ وہاں سائے جھکے ہوئے ہوں گے اور وہاں ہر قسم کے کھانے ہوں گے۔

(حضور نے اسی طرح دیگر آیات کی تفسیر فرماتے ہوئے اس آیت کے متعلق کہ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا۔)

فرمایا: اب یہ عورتوں کے متعلق ہے۔ اور عورتیں خوش ہوں گی کہ ان کے آگے جو بچے پھریں گے وہ وہی بچے ہوں گے جو ان کے مرجاتے ہیں۔ وہ خوبصورت موتیوں کے طرح ہوں گے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی سے رہیں گے۔ اس دنیا میں تو بچہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ پھر کوئی بچہ ذہین ہوتا ہے۔ کوئی کند ذہن ہوتا ہے۔ مگر وہاں سب بچے ایک سے ہوں گے۔ گویا موتی بکھرے ہوئے ہوں گے۔

(چونکہ مردوں میں تقریر فرمانے کا حضور کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لئے حضور نے بقیہ آیات کی مختصر تفسیر فرما کر ان الفاظ پر تقریر ختم فرمائی کہ)

جب تک تم احمدیت کی تعلیم کو پورا نہیں کرو گی احمدی کہلانے کی مستحق نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پوری احمدی بنو تا کہ اگر ایسا وقت آئے جب ہمیں خدا کے دین کے لئے تم سے جدا ہونا پڑے تو تم ہمارے بچوں کی پوری پوری تربیت کر سکو۔ دنیا اس وقت جہالتوں میں پڑی ہوئی ہے تم قرآن کو سمجھو اور خدا کے حکموں پر چلو۔

(الفضل ۲ فروری ۱۹۲۶ء)